دین

اور

سیاست کا رشتہ

قاضی مجاہد الاسلام میموریل لیکچر

(بتاریخ ۲؍جولائی ۲۰۱۲ء بمقام نئی دہلی)

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی ۲۵

دین اور سیاست کا رشتہ

قاضی مجاہد الاسلام میموریل لکچر

(بتاریخ ۲؍جولائی ۲۰۱۲ء بمقام نئی دہلی)

پروفیسر محسن عثمانی ندوی

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز، نئی دہلی

چوتھا قاضی مجاہدالاسلام میموریل لکچر

بعنوان

دین اور سیاست کا رشتہ

4th Qazi Mojahidul Islam Memorial Lecture

On

Deen Aur Siyasat Ka Rishta

Author: **Prof. Mohsin Usmani**

تزئین : فیروز ہاشمی iosfiroz@yahoo.in

کل صفحات : 40

مطبع : بھارت آفسیٹ، گلی قاسم جان، دہلی۔۱۱۰۰۰۶

ناشر

انسٹی ٹیوٹ آف آبجیکٹیو اسٹڈیز

162۔ جوگا بائی، جامعہ نگر، نئی دہلی۔۱۱۰۰۲۵

ملنے کا پتہ

قاضی پبلشرز اینڈ ڈسٹری بیوٹرز

B-35، حضرت نظام الدین (ویسٹ)، نئی دہلی-13

Tel.: 91-11-24352732 Fax.: 91-11-24352048

E-mail: qazipublishers@yahoo.com

دین اور سیاست کا رشتہ

اسلام زندگی کا نظام حیات ہے اور عبادات سے لے کر معاملات اور معاشرت سب پر محیط ہے۔ فقہائے اسلام نے ان تمام پہلوں پر سیر حاصل بحث اور گفتگو کی ہے لیکن جب وہ دور آیا کہ معاملات سیاسی کے بارے اظہار خیال مشکل ہو گیا تو انہوں نے اپنی ساری توجہ عبادات پر مرکوز کر دی اور اس کی جزئیات کو اپنی توجہ کا مرکز بنا لیا اور سیاسی معاملات سے صرف نظر کر لیا حالانکہ تغیر پذیر زمانہ میں سیاسی معاملات اور حکومتی نظم ونسق کے سلسلہ میں بھی اسلام کی رہنمائی کو پیش کرتے رہنا ضروری تھا۔ فقہ کوئی جامد علم نہیں ہے وہ حرکت اور نمو سے لبریز ہے۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ امام شافعی نے حالات کی تبدیلی کے ساتھ بارہا اپنے موقف میں تبدیلی کی۔ امام ابو حنیفہ کا زمانہ آیا تو حالات کی تبدیلی کی وجہ سے انہوں نے اپنے پیش رو فقہاء سے اختلاف کیا۔ احکام زمان ومکان کے اختلاف سے بدل جاتے ہیں، اساسیات میں تبدیلی نہیں ہوتی ہے لیکن فروع اور جزئیات میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے اس لئے ہر دور میں اسلام کو رہنما بنانے اور مسائل کو مستنبط کرنے کی ضرورت ہوتی ہے کیونکہ زندگی ایک حالت پر نہیں رہتی ہے وہ رواں اور ہر دم جواں ہے اس میں جمود نہیں ہے اس لئے اسلام کی رہنمائی بھی ساکت اور جامد نہیں ہو سکتی ہے۔

اس میں شبہ نہیں کہ ہندوستان میں خاص طور پر فقہ اسلامی جمود کا شکار ہوئی ہے۔ فقہائے عصر حاضر کے جمود کی ایک مثال یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ شوری کا نظام بس

ایک مستحسن چیز ہے امیر کو چاہئے کہ وہ اپنی ایک مجلس شوری بنائے جس سے وہ مشورہ کرلیا کرے لیکن اس کے آگے امیر اس نظام کا پابند نہیں، یعنی وہ تمام اہل شوری کی رائے کے برعکس تنہا اپنی رائے کی بنیاد پر فیصلہ کرسکتا ہے اور تمام ارباب حل وعقد کی رائے کو نظر انداز کرسکتا ہے اور یک لخت مسترد کرسکتا ہے۔ راقم سطور کے نزدیک ارباب حل وعقد کی اس سے بڑھ کر اور کوئی توہین نہیں ہوسکتی ہے کہ ان کی متفقہ رائے کر بھی رد کر دیا جائے۔ ترمذی کی روایت ہے کہ "إن الشیطان مع الواحد وھو من الاثنین ابعد" شیطان شخص واحد کے ساتھ ہوتا ہے اور دو شخص ہوں تو زیادہ دور ہو جاتا ہے۔ اس حدیث سے اکثریت کی رائے کی اہمیت واضح ہوسکتی ہے۔ حضرت علی کی روایت ہے کہ قرآن اور سنت میں کسی رہنمائی کی غیر موجودگی میں مسلمانوں کے آئندہ کسی امیر کے لئے آپ ﷺ نے یہ حکم دیا تھا کہ اجمعوا العابدین من امتی واجعلوہ بینکم شوری ولا تقضوا برای واحد یعنی میری امت کے اہل اتقاء کو جمع کرو اور متعلقہ امر کے بارے میں مشورہ کرو اور کسی ایک رائے کو فیصلہ کی بنیاد نہ بناؤ۔ اس حدیث کی رو سے وہ تنہا ایک رائے مجلس شوری کے کسی ممبر کی بھی ہوسکتی ہے اور خود امیر کی بھی ہوسکتی ہے فیصلہ اس ایک رائے کے مطابق نہیں ہوگا۔

قرآن مجید میں ہے وَشَاوِرْهُمْ فِي الْأَمْرِ فَإِذَا عَزَمْتَ فَتَوَكَّلْ عَلَى اللَّهِ (سورہ: آل عمران ۳، آیت: ۱۵۹) یعنی کوئی معاملہ درپیش ہو تو لوگوں سے مشورہ لو اور جب تم عزم کرلو تو اللہ پر بھروسہ کرو۔ تفسیر ابن کثیر میں اس آیت میں لفظ عزم کی تفسیر میں حضرت علی کا قول نقل کیا گیا ہے مشاورۃ اھل الرایٰ ثم اتباعھم یعنی اہل الرای سے مشورہ اور پھر ان کی اتباع ضروری ہے۔ اتباع اسی صورت میں ممکن ہے کہ اہل الرای کا یا تو اجماع

ہو اور ان کی متفقہ رائے ہو یا ان کی اکثریت کی رائے ہو۔ امیر کے لئے اہل الرای کی اتباع ضروری ہے۔

ہندوستان میں امارت شرعیہ کا نظام ہے اس کا ڈھانچہ اسلامی حکومت کا ڈھانچہ ہے۔ اس کا نظام امیر کو خود مختار اور شوری کا غیر پابند قرار دیتا ہے۔ شیخ یوسف القرضاوی کا نقطہ نظر جو انہوں نے اپنی کتاب **فقه الدولة** میں لکھا ہے اس سے مختلف ہے۔ اس عصر کے بہت سے فقیہ اس بات کے قائل ہیں کہ اسلامی نظام میں جماعتوں اور پارٹیوں کا تعدد نہیں ہے اور وہ اس بات کے بھی قائل ہیں کہ سربراہ مملکت کے لئے یا ارکان شوری کیلئے انتخابات درست نہیں ہیں یہ تنہا امیر کا کام ہے کہ وہ ان کو نامزد کرے اور بعض اس بات کے قائل ہیں کہ اکثریت کی رائے کا اعتبار کرنا غلط ہے۔ بعض علماء کا خیال ہے کہ امیر یا سربراہ مملکت کے لئے کسی مدت کا متعین کرنا خلاف اسلام ہے بعض کا کہنا ہے کہ عہد حاضر کی جمہوریت یا ڈیموکریسی ایک بالکل غلط نظام حکومت ہے اور اس کی کوئی چیز قابل قبول نہیں ہے۔ بعض کا خیال ہے کہ اسلام میں عورت کو ووٹ ڈالنے کا حق نہیں ہے اور نہ وہ پارلیمنٹ اور قانون ساز اسمبلی کی ممبر بن سکتی ہے گویا امت اسلامیہ کا نصف حصہ بالکل معطل اور مفلوج رہے گا۔ اسی طرح بعض اشخاص کا خیال ہے کہ غیر مسلموں کا اسلامی نظام میں کوئی حصہ نہیں اور نہ ان کو کوئی بلند عہدہ دیا جا سکتا ہے اسی طرح بعض فقہاء کا خیال ہے کہ کوئی مسلمان از خود کسی عہدہ کا اور پارلیامنٹ یا کونسل یا اسمبلی کا امیدوار نہیں بن سکتا ہے کیونکہ ''طالب ولایت'' کو ولایت نہیں مل سکتی ہے۔ ان تمام امور حکومت پر از سر نو غور کرنا ضروری ہے اس طرح کے افکار اس لئے پائے جاتے ہیں کہ اسلام کے سیاسی نظام پر مجتہدانہ کام اور غور و فکر کا عمل اس دور میں بہت کم ہوا ہے دین اور سیاست کا رشتہ

ذہنوں میں بہت کمزور ہے۔ نئے فکری انقلابات کے دور میں بھی اسلام کے سیاسی پہلوؤں پر بہت کم غور کیا گیا ہے۔ علماء تجدید فکر اور اجتہاد کے مخالف ہیں اور بیداری کی جو لہر عالم اسلام کی سطح پر چل رہی ہے اس کی راہ میں روڑے اٹکاتے رہے ہیں اور نالائق سے نالائق حکمراں کو وہ اولی الامر میں شمار کرتے رہے ہیں جن کے خلاف خروج درست نہیں۔

اسلام کے نظام حکمرانی سے متعلق تمام مسائل اس وقت اصلا ہماری گفتگو کا موضوع نہیں ہیں محض ضمنی طور پر ان کا تذکرہ اس مقالہ میں ملے گا۔ اسلام کا نظام حکمرانی ایک مستقل تصنیفی کام ہے جسے عہد حاضر کے مسائل کے پس منظر میں اور کتاب وسنت کی روشنی میں انجام دینے کی ضرورت ہے اس وقت ہمارا موضوع یہ بتانا ہے کہ دین اسلام کا سیاست سے رشتہ کیا ہے اور کیسا ہے مسلمانوں کا ایک گروہ ہے جو بہت زیادہ مغرب سے متاثر ہے اور لبرل خیالات کا حامل ہے اس کا خیال ہے کہ دین اور سیاست کے درمیان کوئی رشتہ موجود نہیں ہے اور اسلامی ریاست نام کی کوئی چیز نہیں پائی جاتی ہے وہ اسلام کو اس نظر سے دیکھتے ہیں جس نظر سے اہل مغرب عیسائیت کو دیکھتے ہیں حالانکہ اسلام اور مسیحیت کے درمیان مسجد اور کلیسا کے درمیان علماء اسلام اور علماء مسیحیت کے درمیان بہت بڑا فرق ہے۔ اسلام میں یہ تصور ہی نہیں کہ قیصر کا حق قیصر کو دو اور خدا کا حق خدا کو دو۔ تاریخ میں دین عیسائیت اور علم وسائنس دونوں ایک دوسرے کے حریف رہے ہیں لیکن دین اسلام کا علم وسائنس سے اور عقل سے اور افکار تازہ سے اور ایجادات وانکشافات سے کبھی ٹکراؤ نہیں ہوا، اسلام کی تاریخ میں اہل سائنس اور مفکرین کے خلاف کبھی وہ رویہ نہیں اختیار کیا گیا جیسا رویہ عیسائیت کی تاریخ میں پیش آیا۔ اہل کلیسا کے ہاتھ میں اقتدار اعلی تھا اور ان کے حکم سے سائنس دانوں اور اہل علم وعقل کے خلاف کاروائی کے لئے عدالتیں

قائم کی گئی تھیں اور ان کو سزائیں دی گئی تھیں۔ اسلام کی تاریخ میں دین و سیاست کی غلط عملی تفریق کی وجہ سے چنگیزی کی مثالیں تو مل جائیں گی لیکن دین و سیاست کی آمیزش کی وجہ سے چنگیزی کی مثالیں صرف مسیحیت کی تاریخ میں ملتی ہیں جس کی وجہ سے دین و سیاست کی جدائی کی تاریخ شروع ہوتی ہے۔ بہت سے آزاد فکر اور لبرل لوگ اسلام کو مسیحیت پر قیاس کر کے دین اور سیاست کی تفریق کے قائل ہیں اور اسلام کو اقتدار کی طاقت سے بے دخل کرنا چاہتے ہیں حالانکہ اسلام نے کبھی عقل کا راستہ نہیں روکا، سائنس کی مخالفت نہیں کی اس لئے اسلام کے ساتھ وہ معاملہ کرنا جو مسیحیت کے ساتھ روا رکھا گیا درست نہیں۔ یہ لبرل اور سیکولر نظریات کے لوگ دین اور سیاست کی تفریق کے قائل ہیں حالانکہ اسلام اپنی حقیقت کے اعتبار سے دین بھی ہے اور ریاست بھی عبادت بھی ہے اور جہاد بھی، اور جس کی حقیقت اقبال کے الفظ میں احتساب کائنات ہے اور پورے عالم کی فکری رہنمائی ہے۔ اس لئے کہ حضور اکرم ﷺ پیغمبر بھی ہیں اور مربی ہیں اور اسٹیٹ کے سربراہ بھی ہیں اور آپ کے بعد خلفائے راشدین کا طرز عمل بھی آپ کے اس اسوہ کی پیروی کا رہا ہے جس میں دین اور سیاست میں جدائی نہیں ہے۔ یہ نام نہاد لبرل حضرات جس میں اشترا کی مارکسی اور ملحد اور بے دین سبھی شامل ہیں خود کو مسلمان کہتے ہیں حالانکہ انہوں نے اسلام کی حقیقت کو سمجھا ہی نہیں ہے وہ اسلام کی پیروی کرنے کے بجائے اسلام کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں حالانکہ اسلام کتاب اور سنت کے سامنے مکمل سر بزیری اور اطاعت کا نام ہے نہ کہ اپنی خواہشات کی پیروی کا ﴿إِنَّمَا كَانَ قَوْلَ الْمُؤْمِنِينَ إِذَا دُعُوا إِلَى اللَّهِ وَرَسُولِهِ لِيَحْكُمَ بَيْنَهُمْ أَن يَقُولُوا سَمِعْنَا وَأَطَعْنَا وَأُولَٰئِكَ هُمُ الْمُفْلِحُونَ﴾ (سورہ: النور۲۴، آیت:۵۱)

(اہل ایمان کا قول تو یہ ہے کہ جب انہیں اللہ اور اس کے رسول کے طرف بلایا جائے کہ ان کے درمیان وہ فیصلہ کریں تو وہ کہیں کہ ہم نے سنا اور ہم نے اطاعت کی اور وہی کامیاب ہیں)

یہ ناواقف حضرات حقیقت اسلام سے اپنی ناواقفیت کی وجہ سے اسلام کو استہزاء کا ہدف بناتے ہیں اور غلط اصطلاحات وضع کرتے ہیں جیسے سیاسی اسلام اور روحانی اسلام اور فکری اسلام اور سماجی اسلام اور اقتصادی اسلام مکی اسلام اور مدنی اسلام انقلابی اسلام اور جامد اور متشدد اسلام وغیرہ وغیرہ حالانکہ اسلام تو ایک ہی اسلام ہے قرآن اور سنت کا اسلام۔

ایک طرف وہ لبرلزم کے علمبردار ہیں جو اسلام کے بخیہ کو ادھیڑنے میں لگے ہیں اور دوسری طرف وہ دیندار مسلم عناصر ہیں جو روح عصر سے نا آشنا ہیں دونوں کے درمیان اعتدال اور توازن اور وسطیت کے حامل درست نقطہ نظر والے لوگ بھی ہیں جو قدیم صالح اور جدید نافع کے قائل اور تجدید کے ساتھ سلفیت (اصول اسلام کی پیروی) کی طرف مائل ہیں جو ثابت اور تغیر پذیر کے درمیان توازن کے حامی ہیں جو عقل کا احترام کرتے ہیں اور فکر میں تجدید کے حامی ہیں جو دین میں اجتہاد اور دنیا کے معاملات میں جدت پسندی سے گریز نہیں کرتے ہیں، وہ عصر حاضر کے تقاضوں سے واقف ہیں اور وہ عصر حاضر کے مختلف سیاسی نظام کے بہتر عناصر کو اخذ کرتے ہیں اور جن باتوں کا اسلام سے فی الواقع ٹکراو ہے صرف ان کو رد کرتے ہیں اور ''خذ ما صفا ودع ما کدر'' پر ان کا عمل ہے۔ متوازن فکر رکھنے والے اس گروہ کا خیال ہے کہ جمہوریت کا سیاسی نظام اسلام کے سیاسی نظام سے قریب تر ہے۔ یہ حضرات جمہوریت کے صالح اجزاء کو قبول کرتے ہیں اور جو چیزیں اسلام کے منافی ہیں ان کو رد کرتے ہیں اور اسلامی اقدار و روایات کی موجودہ نظام

جمہوری میں پیوندکاری کر کے اسے قابل قبول بناتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو انتہا پسندی سے دور اور اعتدال کی راہ پر گامزن ہیں۔ جمہوریت پر بعض علماء اسلام کا اعتراض ہے کہ اس میں حاکمیت کا سرچشمہ خدا کے بجائے خلق خدا کو بنا گیا ہے جمہوریت اس مفہوم میں یقینی طو پر درست نہیں لیکن جمہوری ملکوں میں شاید ہی ایک شخص ملے جو عوام کو حاکمیت کا سرچشمہ بنانے کا یہ مفہوم مراد لیتا ہے اور حاکمیت الہ کی نفی کرتا ہے عام طور پر حاکمیت عوام سے فرد واحد کے استبدادی نظام کی نفی مراد ہوتی ہے یعنی اس سے مراد یہ ہے سیاسی معاملات میں اکثریتی رائے کا اعتبار کیا جائے گا نہ کہ فرد واحد کی رائے کا۔اور اکثریتی رائے کا اظہار بیلٹ بکس کے ذریعہ ہوتا ہے۔ عالم اسلام میں اسلام کو اور شریعت اسلام کو استبدادی نظام سے جو نقصان پہونچا ہے وہ کسی صاحب نظر سے مخفی نہیں۔

اس دور میں ایسی کتابوں کی ضرورت تھی جن میں وسطیت اور اعتدال کا نقطہ نظر پیش کیا گیا ہو جن میں اس حقیقت کو واضح کیا گیا ہے کہ اسلام ایک ریاست بھی ہے اور عبادت بھی ہے، اسلامی ریاست اور اس کی تفصیلات پر ان کتابوں میں روشنی ڈالی گئی ہو اور یہ بتایا گیا ہو کہ حکومت الٰہی کا کہنوتی نظام اور حکومت الٰہیہ (Theocracy) کا مسیحی تصور اسلام میں نہیں ہے (حکومت الٰہیہ کی اصطلاح کی گنجائش تو نکالی جاسکتی لیکن شیخ یوسف القرضاوی اس اصطلاح کے استعمال کرنے کو درست نہیں سمجھتے ہیں) ان کتابوں میں اسلام اور جمہوریت پر مفید اور بامعنی گفتگو ہو، عورت کے مقام اور مرتبہ پر روشنی ڈالی گئی ہو کہ وہ مجالس ساز کی ممبر ہوسکتی ہے یا نہیں غیر مسلموں کے اسلام کے سیاسی نظام میں کیا حقوق ہیں اور کسی غیر مسلم ملک کے سیکولر نظام میں کس حد تک مسلمانوں کی شرکت درست ہے، امیر کی امارت حاکم کی حکومت متعین مدت کے لئے ہوسکتی ہے یا وہ تا حین حیات حاکم

رہے گا اور وہ شوری کے فیصلوں کا پابند ہوگا یا مطلق العنان، امیر کی امارت تولیت اور عزل کا حق کسے حاصل ہے۔یعنی ایسی بحثوں کی ضرورت ہے جس میں اسی طرح کے تمام نئے پہلوؤں پر تفصیل سے وشنی ڈالی گئی ہو۔ضرورت اس لئے ہے کہ ان معاملات میں غیر متوازن نقطہ ظر علماء کی جانب سے سامنے آئے ہیں علماء افغانستان یا علماء طالبان عورتوں کی مجالس قانوں ساز میں شرکت کو یا امیر کو شور کا پابند بنانے کو اور خود الیکشن کو حرام قرار دے چکے ہیں۔ واضح رہے کہ خود ہندوستان کے عام علماء اور فقہاء ابھی تک اس بات کے قائل ہیں کہ امیر کی امارت تا زندگی ہوگی اور وہ شوری کے فیصلوں کا پابند نہیں ہے دلیل کے طور پر امارت شرعیہ کے دستور اور روایت کو دیکھا جاسکتا ہے جس کی تاسیس میں اکابر علماء شریک رہے ہیں اور جو بغیر طاقت اور اقتدار کے حکومتی ڈھانچہ سے عبارت ہے۔ اس نظام میں جب ایک شخص امیر ہوجاتا ہے تو چاہے وہ معذور اور مفلوج ہوجائے وہ تا زندگی امیر رہتا ہے۔ان کی دلیل یہ ہے کہ خلفاء راشدین میں ہر خلیفہ زندگی بھر کے لئے خلیفہ بنا تھا اب ان مسائل پر نئے سرے سے غور وفکر کی ضرورت ہے۔ اسلام پر عصر حاضر میں جو اعتراضات کئے جاتے ہیں ان کے جوابات دینے کی ضرورت ہے اور صحیح متوازن موقف کی نشان دہی کی ضرورت ہے، اس بات کی ضرورت ہے کہ اس سے پہلے کتابوں میں ان موضوعات پر جو کچھ لکھا گیا ہے ان سے استفادہ کیا گیا ہو قرآن وسنت کی روشنی میں اور صحابہ کرام کے تعامل کو دیکھ کر اور حالات اور زمان ومکان کے فرق کو ملحوظ رکھتے ہوئے اس میں اجتہاد سے کام لیا گیا ہو

(واضح رہے کہ حالات اور زمان و مکان کے فرق سے غیر منصوص احکام میں تبدیلی ہوسکتی ہے خود خلافت راشدہ کے دور میں ان احکام میں جو غیر منصوص تھے اور عہد

رسالت میں جن کی حیثیت محض ایک عملی طریقہ کار کی تھی تبدیلی کی گئی تھی مثال کے طور پر سوادعراق کی فتح کے بعد حضرت عمر نے علاقہ کو مجاہدین کے درمیان تقسیم نہیں کیا جس طرح خیبر کی تقسیم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ہوئی تھی)

اس دور میں ایسی کتابوں کی ضرورت تھی جن میں صحیح مزاج اسلام کی طرف رہنمائی کی گئی ہو۔ اس دور میں جب سیاسی نظریات وافکار پر مختلف زبانوں میں کتابوں کا ایک سیلاب آیا ہوا ہے ہندوستان میں پچاس سال پہلے اسلام کے سیاسی نظام پر دو تین کتابیں لکھی گئی تھیں لیکن گذشتہ نصف صدی میں جو سیاسی نظریات کے فروغ کا بے حد اہم دور ہے اسلام کے سیاسی نظام پر ایک بھی باقاعدہ مفصل اور مکمل کتاب نہیں لکھی گئی ہے ضمنی طور سیاسی بحثیں متفرق تحریروں اور کتابوں میں آئی ہیں۔ لیکن اس وقت ہمارا موضوع وہ تمام مباحث نہیں ہیں جن کا تعلق اسلام کے نظام حکمرانی سے ہے۔ ہمارا موضوع صرف وہ رشتہ ہے جو دین اور سیاست کے درمیان ہے۔ کیونکہ اس دور میں اس رشتہ کا انکار بھی کیا گیا ہے اور ایسا بھی ایسا ہوا کہ اس رشتہ کے درمیان صحیح توازن کھویا گیا ہے۔

دین اور سیاست کا رشتہ

استعماری طاقتیں جب مسلمانوں کے ملکوں پر غالب آگئیں اور انہوں نے اپنا اقتدار وہاں قائم کرلیا تو انہوں نے مسلمانوں کے ذہن کو بدلنے کی کوشش کی انہیں یہ باور کرایا گیا کہ اسلام بس ایک ایسا ہی دین ہے جیسا کہ مسیحیت ایک دین ہے حکومت سے اس کا کوئی لازمی رشتہ نہیں ہے۔ یہ کہا گیا کہ حکومت اور سیاست کا تعلق دین سے نہیں بلکہ عقل سے اور انسان کے اپنے تجربات سے ہے۔ مشرقی ملکوں میں اسلام کے بارے میں

ان مغرب زدہ لوگوں نے ان ہی نظریات اور افکار کو فروغ دینے کی کوشش کی جس کا تجربہ مغرب میں کیا گیا تھا۔ یعنی جس طرح مغرب کی نشات ثانیہ اور بیداری سیاست اور دین کی علاحدگی کے بعد ہوئی اسی طرح انہوں نے مشرق میں دین اور سیاست کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے کی کوشش کی اور یہ سمجھانے کی کوشش کی کہ ترقی کا راز دین اور سیاست کو، عبادت اور حکومت کو ایک دوسرے سے علاحدہ کرنے میں مضمر ہے۔ حالانکہ مغرب میں دین کا مفہوم کہنوت اور ارباب کلیسا کا اقتدار ہے لیکن اسلام میں مسیحیت کی طرح ارباب کلیسا کا اپنا کوئی اقتدار نہیں ہے جو پہلے انسانوں پر حکومت کیا کرتے تھے اور ان کی جان ومال کے مالک ہوتے تھے اور سیاہ وسفید کے مختارِ کل ہوتے تھے اور جو علم وسائنس کی ترقی کے دشمن ہوا کرتے تھے۔ اور نئی تحقیقات کے علم برداروں کو موت کی سزا دیتے تھے۔

مغرب کے حکمراں مشرق میں اس ذہن سازی میں کامیاب ہوئے کہ دین کا کوئی تعلق حکومت اور سیاست سے نہیں ہے یہ خالص دنیوی امور ہیں اور دین سے ان کا کوئی رشتہ نہیں ہے۔ دین کا تعلق اللہ سے ہے اور حکومت کا تعلق سماج سے ہے اور عام انسانوں سے ہے حالانکہ دین ہو یا وطن شریعت ہو یا سیاست سب کا تعلق اللہ سے ہے اور ان میں سے ہر ایک کا تعلق انسانوں کے معاشرہ سے بھی ہے۔ لیکن اہل مغرب جب یہ کہتے ہیں کہ دین کا رشتہ صرف خدا سے ہے تو ان کی مراد یہ ہے کہ دین انسان کا پرائیویٹ معاملہ ہے اس کا تعلق انسان کی اپنی روحانیت اور عبادت سے ہے لیکن اس کا کوئی تعلق انسانی معاشرہ اور انسانی مسائل سے نہیں ہے۔ دین وسیاست کی تفریق کا نمونہ ترکی کا سیکولر اسٹیٹ ہے جس کی بنا کمال اتاترک نے ڈالی تھی اور نہایت سختی بلکہ بے رحمی سے اسے نافذ کیا تھا کمال اتاترک نے اسلامی خلافت کو ختم کردیا اس طرح اسلام کی سیاسی

نظام کے عظیم آخری ستون کو منہدم کر دیا جو صلیبی جنگوں اور یہودیوں سے دیرینہ آویزش کے بعد بھی قائم تھا اس نے مسلمانوں کے پرسنل لا (نکاح وطلاق وغیرہ سے متعلق قوانین) تک کو مغربی قوانین سے بدل دیا۔ اب اس کے بعد دنیا کے مسلم ملکوں نے بھی ترکی کے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کی اور اسلام کا تعلق فوج داری قوانین اور مدنی یعنی سول قوانین سے ختم کر دیا اور اسلام کے قوانین کو پرسنل لا تک محدود کردیا اور دنیا کے معاملات میں مغربی ثقافت اور تہذیب کی پیروی شروع کردی اور دنیا میں رہنمائی اور رہبری کے مقام سے اسلام کو بے دخل کر دیا اور اسلام کو بعض اخلاقی اور روحانی تعلیمات میں محصور اور محدود کر دیا اور پیروی مغرب ثقافت اور تہذیب ہر میدان میں عام ہوگئی۔ یہاں تک کہ مصر کی ایک بڑی سیاسی پارٹی کے لیڈر نے کمال اتارک کے سیاسی تصور ریاست کی تعریف کی، اخوان کے بانی اور مرشد عام نے اس وقت اس کا استدراک کیا تھا پھر دین وسیاست کی جدائی کا یہ تصور صرف سیکولر عناصر تک محدود نہیں رہا بلکہ بعض اہل دین اور علماء بھی اس گمراہی کا شکار ہو گئے چنانچہ ازہری عالم شیخ علی عبد الرازق کی کتاب الاسلام واصول الحکم اسی فکر کی آئینہ دار تھی۔ اس وقت اس کتاب کے بہت سے جوابات دئے گئے تھے جامع ازہر نے بطور سزا کے مصنف کی ڈگری ضبط کر لی تھی مصنف کا نام ازہری علماء کی فہرست سے خارج کر دیا تھا۔ کیونکہ دین وسیاست کی علاحیدگی کا تصور ازہری علماء کے نزدیک بھی خلاف اسلام تھا۔ اس وقت بھی مصر میں دین وسیاست کی کشمکش جاری ہے اور وہاں دونوں نقطہ نظر کے نمائندے موجود ہیں۔

اس حقیقت کا تقاضا تھا کہ مسلم دنیا میں ریاست کے سیکولر تصور کا مقابلہ کیا جاتا کیونکہ اسلام دین بھی ہے اور دنیا بھی عبادت بھی اور ریاست بھی اور سیاست بھی اور

عدالت بھی زندگی کا کوئی پہلو اس کے احاطہ سے باہر نہیں وہ زمان اور مکان اور انسان سب پر محیط ہے، زندگی کے ہر پہلو کے لئے اس میں رہنمائی موجود ہے ﴿وَنَزَّلْنَا عَلَيْكَ الْكِتَابَ تِبْيَاناً لِّكُلِّ شَيْءٍ وَهُدًى وَرَحْمَةً وَبُشْرَى لِلْمُسْلِمِينَ﴾ (سورہ النحل:۱۶، آیت:۸۹) یعنی ہم نے نازل کی تم پر کتاب جس میں ہر چیز کی وضاحت ہے اور وہ ہدایت اور رحمت ہے مسلمانوں کے لئے۔

کچھ مزید دلائل

اسلام کے جامع نظام زندگی ہونے کی بات کسی اسلامی تحریک اور اس کے قائد کی اختراع اور ایجاد نہیں ہے بلکہ ایسی بدیہی حقیقت ہے جس پر قرآن وسنت اور اسلامی تاریخ کی شہادت موجود ہے، قرآن کی اس آیت پر غور وفکر کرنے سے بیان کردہ یہ حقیقت کہ دین اسلام زندگی کی مکمل رہنمائی کرتا ہے واضح ہو جاتی ہے ﴿إِنَّ اللّهَ يَأْمُرُكُمْ أَن تُؤدُّواْ الأَمَانَاتِ إِلَى أَهْلِهَا وَإِذَا حَكَمْتُم بَيْنَ النَّاسِ أَن تَحْكُمُواْ بِالْعَدْلِ إِنَّ اللّهَ نِعِمَّا يَعِظُكُم بِهِ إِنَّ اللّهَ كَانَ سَمِيعاً بَصِيراً. يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُواْ أَطِيعُواْ اللّهَ وَأَطِيعُواْ الرَّسُولَ وَأُوْلِي الأَمْرِ مِنكُمْ فَإِن تَنَازَعْتُمْ فِي شَيْءٍ فَرُدُّوهُ إِلَى اللّهِ وَالرَّسُولِ﴾ (سورہ النساء:۴، آیت:۵۸-۵۹)

ترجمہ؛ بیشک اللہ حکم دیتا ہے کہ پہنچادو امانتیں ان کو جو اس کے اہل ہیں اور جب فیصلہ کرنے لگو لوگوں میں تو فیصلہ کرو انصاف سے۔ بیشک اللہ اچھی نصیحتیں کرتا ہے تم کو اور بیشک اللہ سننے والا اور دیکھنے والا ہے اے ایمان والو حکم مانو اللہ کا اور حکم مانو رسول کا اور حاکموں کا جو تم میں سے ہوں اور پھر اگر جھگڑ پڑو کسی چیز میں تو اس کو رجوع کرو اللہ کی

طرف اور رسول کی طرف۔

آیت مذکورہ بالا میں اہل حکومت کو عدل وانصاف کے قیام کا حکم دیا گیا ہے حدیث میں صفت امانت کے ضائع ہونے کو قرب قیامت کی نشانی قرار دیا گیا ہے (إذا ضیعت الامانۃ فانتظروا الساعۃ) اور جب امانت کا ضیاع ہونے لگے تو انتظار کرو قیامت کا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کہ امانت کا ضیاع کیا ہے؟ آپ نے فرمایا (إذا وسد الامر علی غیر أھلہ و انتظروا الساعۃ) رواہ البخاری۔ اگر معاملہ کو غیر اہل شخص کے سپرد کر دیا جائے تو قیامت کا انتظار کرو۔

یعنی کسی امر اور معاملہ کو کسی نااہل کے سپرد کیا جائے تو یہ امانت کا ضیاع ہے حکومت اور اقتدار تو سب سے بڑی امانت ہے اور اس امانت کو اہل اشخاص تک منتقل کرنا اہل ایمان کی ذمہ داری ہے یعنی اہل ایمان ہی اپنا امیر اور حاکم منتخب کریں گے اور حکومت کی تشکیل کریں گے اور آیت کے دوسرے جزء میں اس کی تصریح ہے کہ اللہ اور رسول کی اطاعت کے بعد اولی الامر کی اطاعت سب سے اہم ہے اور اولی الامر کی اطاعت ہی حکومت اور سیاست ہے یعنی اس سے حکومت اور سیاست کی اہمیت معلوم ہوتی ہے ورنہ اولی الامر کی اطاعت کا حکم نہیں نازل ہوتا۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ اسلام کا گہرا تعلق حکومت اور سیاست سے ہے اس کا مزاج مسیحیت سے مختلف ہے جو خدا اور قیصر کی تفریق کا قائل ہے جہاں دین اور دنیا دونوں ایک دوسرے سے دور ایک دوسرے کے لئے اجنبی اور دیر آشنا ہیں اور باہم برسر پیکار ہیں۔ لیکن اس آیت میں جن اولی الامر کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے "منکم" سے اس کی تحدید کر دی گئی ہے یعنی وہ لازما اہل ایمان میں سے ہوں گے اور کسی اختلاف کی صورت میں سارے معاملہ کو خدا اور رسول

کی طرف محول کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ ان آیات کی تشریح میں علامہ ابن تیمیہ کی مکمل کتاب "السياسة الشرعية" کے نام سے ہے حدیث کے ذخیرہ پر نظر ڈالئے تو اس میں یہ حدیث ملے گی (من مات وليس في عنقه بيعة مات ميتة جاهلية) رواہ مسلم۔ جو شخص اس حالت میں مرے کہ اس نے کسی (حاکم) کی ہاتھ پر بیعت نہیں کی تو وہ جاہلیت کی موت مرا

یعنی ایک مسلمان کو مسلمانوں کی آبادی میں ہر حال میں کسی حاکم کے ہاتھ پر بیعت کرنی چاہئے اور حاکم کو مسلمان ہونا چاہئے غیر مسلم کے ہاتھ پر بیعت غیر ما انزل اللہ پر بیعت ہے اور یہ جائز نہیں۔ اور اگر کوئی مسلم حاکم نہیں ہے تو یہ اہل اسلام کی ذمہ داری ہے کہ وہاں اپنی آبادی میں اسلامی حکومت قائم کریں تا کہ مسلمان حاکم کی ہاتھ پر بیعت کرسکیں غیر مسلم حکومتوں میں بھی مسلمانوں کو اجتماعی نظام کے تحت زندگی گذارنے کا حکم ہے۔ مکمل اسلامی نظام تو وہی ہوگا جہاں کوئی مسلماں حکمراں ہو انفرادی طور پر کچھ عبادات پر عمل کافی نہیں ہوگا کیونکہ دین اسلام کا تقاضہ حکومت اور قوت وشوکت بھی ہے جہاں مطلوب اسلامی حکومت نہ ہو وہاں مسلمان اسلامی حکومت قائم کرنے کی کوشش کے مکلّف ہیں۔ ایک نہیں متعدد حدیثیں ہیں جن میں امارت قضاء خلافت امامت اور ان کی صفات پر زور دیا گیا ہے اور پھر نیکی اور معروف میں حاکم کی اطاعت کا حکم دیا گیا ہے حاکم کو اہل الرای سے مشاورت کا حکم ہے اور حکومت کے لئے قوی اور امین کو ذمہ دار اور والی بنانے کی نصیحت ہے بے شمار احکام ہیں جن میں اقامت صلاۃ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو حکومت کا مقصد اعلی قرار دیا گیا ہے۔ بحیثیت مجموعی قرآن اور احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اسلام وہ دین ہے جس کی فطرت میں ایک صالح اور مصلح حکومت

کے عناصر موجود ہیں یہ وہ دین نہیں ہے جو صرف تزکیہ نفس کے لئے ہو اور سماج سے بے تعلق ہوکر خانقاہوں میں اور پہاڑوں کے غاروں میں عبادت کے لئے ہو اور صرف ذکر و فکر صبح گاہی کے لئے ہو۔ چنانچہ ہماری تاریخ میں بہت سی ایسی کتابیں لکھی گئی ہیں جن کا تعلق اسلامی حکومت اور قوانین حکومت اور دستور حکومت اور احکام حکومت اور مالیاتی نظام سے اور جہاد کے مسائل سے ہے مثال کے طور پر ماوردی کی "الاحکام السلطانیة" ہے ابن تیمیہ کی السیاسة الشرعیة ہے امام ابو یوسف کی کتاب الخراج ہے ابی عبید کی الاموال ہے اور بھی کتابیں ہیں جن سے مجموعی طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام کا تعلق حکومت اور نظم ونسق اور مالیات سے بھی ہے صرف تزکیہ اور تطہیر نفس اور خلوتوں اور خانقاہوں میں ذکر وعبادت سے نہیں ہے۔

تاریخ اسلام کی شہادت

حضور اکرم ﷺ نے مدینہ میں اسلام کے نظام حکمرانی کے لئے خدائی قوانین کے نفاذ کے لئے اور دعوت اسلامی کا مرکز قاسم کرنے کے لئے جہاں سے دنیا میں توحید کے پیغام کو عام کیا جا سکے اور شریعت کو نافذ کیا جا سکے حکومت قائم کی قبائل نے آپ کے ہاتھ پر بیعت کی اور اسلام قبول کیا۔ مدینہ کی جانب آپ کی ہجرت ایک منظّم اور طاقتور اسلامی معاشرہ کے قیام کے مقصد کے لئے تھی۔ مدینہ دار الاسلام بھی تھا اور مسلمانوں کی فوجی چھاونی بھی اور تمام مسلمانوں کی پناہ گاہ بھی۔ حضور اکرم ﷺ کی ذات پیغمبر کی بھی تھی قائد جیش کی بھی تھی اور امیر اور حاکم کی بھی تھی۔ تمام مسلمانوں کو ہجرت کا حکم دے دیا گیا تھا ﴿وَالَّذِينَ آمَنُواْ وَلَمْ يُهَاجِرُواْ مَا لَكُم مِّن وَلاَيَتِهِم مِّن شَيْءٍ حَتَّى

﴿يُهَاجِرُواْ﴾ (سورہ الانفال:۸، آیت:۷۲) ترجمہ؛ اور جو لوگ ایمان لائے اور اپنے گھروں کو چھوڑ کر ہجرت نہیں کی تم کو ان کی رفاقت سے کچھ کام نہیں جب تک کہ وہ گھر چھوڑ کے ہجرت نہ کریں۔

اور فَلاَ تَتَّخِذُواْ مِنْهُمْ أَوْلِيَاء حَتَّىَ يُهَاجِرُواْ فِي سَبِيلِ اللّهِ (سورہ النساء:۴، آیت:۸۹) ترجمہ؛ سو تم ان میں سے کسی کو دوست نہ بناؤ یہاں تک کہ وہ وطن چھوڑ کر کے ہجرت کریں اللہ کے راستہ میں۔ یعنی ایسی مسلم حکومت کا وجود ضروری ہے جس کی طرف وہ لوگ ہجرت کریں جو اپنے دین پر عمل نہ کر سکتے ہوں اور ظلم کا شکار ہو رہے ہوں۔

اور جب حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کا انتقال ہو گیا تو امامت کبری اور خلافت کے معاملہ کو لوگوں نے آپ کی تدفین پر بھی مقدم رکھا اور جسم اطہر کی تدفین اس وقت تک نہیں ہوئی جب تک کہ خلیفہ کا انتخاب نہیں ہو گیا یہ اس بات کا ثبوت ہے کہ مسلمانوں کے لئے امامت اور حکومت کس درجہ اہم ہے اور اس میں ایک دن کی بھی تاخیر کی گنجائش نہیں ہے یہاں تک کہ پیغمبر علیہ السلام کی تدفین کے بے حد اہم کام پر بھی اس کو مقدم رکھا گیا۔ علماء اسلام نے اس واقعہ کو اس بات کی دلیل بنایا ہے مسلمانوں کو بغیر کسی امیر اور حاکم کے زندگی نہیں گذارنی چاہئے گویا امارت اور حکومت دین میں اساسیات کی حیثیت رکھتی ہیں۔ مسلمان اگر ایسی جگہ رہتے ہوں جہاں وہ اپنے دین پر بالکل عمل نہیں کر سکتے ہوں اور ظلم کا شکار ہو رہے ہوں اور ان کی لئے وہاں سے ہجرت کرنا ممکن ہو تو ہجرت ضروری ہو جاتی ہے یہ ہجرت اسی صورت میں ممکن ہے جب مسلمانوں کی ایک طاقتور حکومت ہو جہاں امن آمان ہو اور جہان بناہ گزینوں کے رہنے کا مناسب اور بہتر انتظام ہو۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلآئِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ قَالُواْ فِيمَ كُنتُمْ قَالُواْ

كُنَّا مُسْتَضْعَفِينَ فِي الْأَرْضِ قَالُوٓاْ أَلَمْ تَكُنْ أَرْضُ اللّهِ وَاسِعَةً فَتُهَاجِرُواْ فِيهَا فَأُوْلَـئِكَ مَأْوَاهُمْ جَهَنَّمُ وَسَاء تْ مَصِيراً. إِلاَّ الْمُسْتَضْعَفِينَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَاء وَالْوِلْدَانِ لاَ يَسْتَطِيعُونَ حِيلَةً وَلاَ يَهْتَدُونَ سَبِيلاً. فَأُوْلَـئِكَ عَسَى اللّهُ أَن يَعْفُوَ عَنْهُمْ وَكَانَ اللّهُ عَفُوّاً غَفُوراً. ﴾ (سورہ النساء:۴، آیت:۹۷ تا ۹۹) ترجمہ: وہ لوگ کہ جن کی جان نکالتے فرشتے اس حال میں کہ انہوں نے خود پر ظلم کیا' اور برا کیا' ان سے فرشتوں نے پوچھا کہ تم کس حال میں تھے وہ کہنے لگے ہم ملک میں بے بس اور کمزور تھے فرشتے ان سے کہتے ہیں کہ کیا نہ تھی اللہ کی زمین کشادہ کہ وہاں چلے جاتے وطن چھوڑ کر سو ایسے لوگوں کا ٹھکانہ دوزخ ہے اور وہ بہت بری جگہ ہے۔

حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد خلفائے راشدین کا زمانہ آیا جس میں مسلمانوں کی طاقتور حکومت موجود تھی پھر اس کے بعد بھی ایک طویل عرصہ تک ایک منظّم حکومت قائم رہی اگرچہ وہ خلافت علی منہاج النبوۃ نہیں تھی۔ اسلام کی پوری تاریخ میں مسلمان دین اور دنیا اور عبادت اور سیاست کی تفریق کے قائل نہیں رہے بلکہ ایک ایسی شریعت کے قائل رہے جس کا تعلق دینی اور دنیوی دونوں معاملات سے ہے اور حضور اکرم نے ایک ایسے زمانہ کی پیشین گوئی بھی کی جس میں دین اور دنیا کی تفریق ہوگی یا خلافت علی منہاج النبوۃ باقی نہیں رہے گی آپ نے اس زمانہ کے خطرہ سے آگاہ بھی کیا جیسا کہ حدیث معاذ میں ہے (ألا إن رحی الاسلام دائرة فدوروا مع الاسلام حيث دار، ألا إن القرآن والسلطان سيفترقان (ای الدين والدولة) فلا تفارقوا الكتاب. ألا إنه سيكون عليكم أمراء يقضون لانفسهم ما لا يقضون لكم . فإن عصيتم قتلوكم وإن أطعتموهم أضلوكم) قالوا فماذا نصنع يا رسول الله؟ قال (كما

صنع أصحاب عيسى بن مريم؛ نشروا بالمناشير وحملوا علی الخشب. موت فی طاعة الله خير من حياة فی معصية الله) (رواه الطبرانی والبيهقی) یعنی اسلام کی چکی گھوم رہی ہے تو تم بھی اسلام کے ساتھ گھومو یاد رکھو کہ قرآن اور سلطان (حکومت) کی تمہارے درمیان تفریق عمل میں آئے گی اللہ کی کتاب کو کسی حال میں نہ چھوڑنا تمہارے درمیان ایسے حاکم ہوں گے جن کے پاس دوہرے پیانہ ہوں گے اگر تم نے ان کی نافرمانی کی تو وہ تم کو قتل کردیں گے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کی تو وہ تم کو گمراہ کردیں گے صحابہ نے پوچھا ایسی حالت میں ہم کیا کریں ؟ آپ نے فرمایا تم وہی کرنا عیسی بن مریم کے اصحاب نے جو کیا تھا انہیں آرے سے چیر کردیا گیا اور صلیب پر اٹھایا گیا۔ اللہ کی اطاعت میں موت اللہ کی نافرمانی میں زندگی سے بہتر ہے۔ یعنی دین اور دنیا کی تفریق ایک ناپسندیدہ چیز ہے لیکن یہ ہوگی اور آپ ﷺ نے اس کے خطرہ سے آگاہ کیا تھا۔

مزاج اسلام

اسلام ایک کامل دین اور کامل شریعت ہے اس کا تعلق زندگی کے تمام مشاکل اور تمام مسائل اور تمام حالات سے ہے زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جس میں اس کی رہنمائی نہ ہو یہ ممکن نہیں کہ عبادات میں تو اس کی رہنمائی ہو اور انتظام حکومت میں اور اجتماعی معاملات سے وہ بے تعلق ہو اور حکومت کے معاملات کو لوگوں کی پسند اور ناپسند کے لئے چھوڑ دیا جائے تاکہ جو خدا کے باغی اور رسول کے نافرمان ہیں وہ جس طرح چاہیں اس کا انتظام چلائیں یہ دین انتہائی نظم وضبط اور ڈسپلن کا دین ہے یہاں تک کہ نماز میں بھی صفوں میں برابری اور ہمواری کا حکم ہے سفر میں بھی کسی کو امیر بنا لینے کا حکم دیا گیا ہے افراتفری

اور بے نظمی کو یہ دین پسند نہیں کرتا ہے' علامہ ابن تیمیہ نے اپنی کتاب السیاسة الشرعیة میں یہاں تک لکھا ہے عوام کے لئے ولایت اور حکومت واجبات دین میں سے ہے اور اس کے بغیر دینی اور دنیوی کوئی بھی معاملہ درست نہیں ہوسکتا ہے، ہر فرد سماج کا جزء ہے دونوں کے درمیان ارتباط اور ہم آہنگی ضروری ہے اور اس ارتباط اور ہم آہنگی کے لئے اجتماعی نظام کی ضرورت ہے اور یہ ضرورت حکومت سے پوری ہوتی ہے۔ اسلام میں اس کا اس قدر زیادہ اہتمام ہے کہ حدیث میں حکم ہے کہ کسی صحراء اور جنگل میں تین آدمی بھی ہیں تو ایک کو ان میں امیر ہونا چاہئے تو جب سفر میں جو ایک عارضی چیز ہے اور میدان و بیاباں میں جہاں سکونت مستقل نہیں ہے امیر ضروری ہے تو آبادی اور شہر میں اور ملک میں بے امارت اور بے حکومت زندگی گذارنا اس دین میں کیسے روا رہ سکتا ہے جو ایک ضابطہ حیات بھی ہے۔ جو لوگ دین اور دنیا کی تفریق کرتے ہیں اور امور سیاست کا رشتہ عبادت اور اطاعت سے ختم کرتے ہیں وہ مزاج دین اور طبیعت دین اسلام سے واقف نہیں' وہ تاریخ مسیحیت سے متاثر ہیں جہاں کلیسا اور اسٹیٹ کے درمیان ایک طویل کشمکش جاری رہی اور پھر دونوں میں جدائی ہوگئی پھر علامہ ابن تیمیہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ قرآن اور حدیث میں جا بجا امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کا حکم ہے ﴿كُنتُمْ خَيْرَ أُمَّةٍ أُخْرِجَتْ لِلنَّاسِ تَأْمُرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَتَنْهَوْنَ عَنِ الْمُنكَرِ وَتُؤْمِنُونَ بِاللهِ﴾ (سورہ آل عمران: ۳، آیت: ۱۱۰) یعنی تم بہترین امت ہو جسے تمام لوگوں کے لئے بھیجا گیا ہے تم معروف کا حکم دیتے ہو منکر سے روکتے ہو اور اللہ پر ایمان رکھتے ہو

واضح رہے کہ امر اور نہی دونوں میں تحکم کی شان پائی جاتی ہے اس سے مراد محض عاجزانہ درخواست نہیں ہے' اس کے لئے قوت اور امارت کا نظام ضروری ہے اس کے بغیر

جہاد نہیں ہوسکتا اور اس کے بغیر عدل و انصاف کا قیام ممکن نہیں اور نہ مظلوم کی مدد کی جاسکتی اور نہ ظالم کا ہاتھ پکڑا جاسکتا ہے اور نہ حدود اللہ کی تنفیذ ممکن ہے۔علامہ ابن تیمیہ نے **الحسبه فی الاسلام** میں سلطنت اور حکومت کی اہمیت بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:

الأمر بالمعروف والنهي عن المنكر لا يتم إلا بالعقوبات الشرعية فإن الله يزع بالسلطان مالا يزع بالقرآن

یعنی امر **بالمروف** اور نہی **عن المنکر** کا کام شرعی سزاؤں کے بغیر ناتمام رہتا ہے اللہ تعالیٰ اقتدار اور سلطنت کے ذریعہ وہ روک لگاتا ہے جو قرآن کے ذریعہ نہیں لگاتا ہے۔اس اقتباس سے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ اقتدار اور حکومت کس درجہ اہمیت کی چیز ہے اور یہ دین کی کس قدر غلط تعبیر ہے کہ اس کا رشتہ سیاست سے نہیں ہے۔معروف عالم قاضی ماوردی جن کا تذکرہ اوپر آچکا ہے اپنی کتاب "**لاحکام السلطانیه**" میں لکھتے ہیں: **والامر بالمعروف والنهي عن المنكر لايتم إلا بقوة وإمارة ومن هنا كانت الإمارة او ولاية أمر الناس من اعظم واجبات الدين**

یعنی امر **بالمعروف** اور نہی **عن المنکر** کا کام طاقت اور حکومت کے بغیر انجام نہیں پاسکتا ہے اس لئے حکومت اور معاملات مسلمین کی ولایت دین کے اہم واجبات میں سے ہے۔

قرآن حدیث میں منکر سے روکنے کا حکم ہے۔منکر کا مفہوم سمجھنے میں بھی عام طور پر غلط فہمی پائی جاتی ہے۔ بہت سے لوگ سمجھتے ہیں کہ زنا کاری اور شراب نوشی وغیرہ قسم کی برائیاں ہی منکر میں داخل ہیں۔ حالانکہ انتخابات میں دھاندلی اور رشوت کا استعمال بھی منکر ہے نا اہل شخص کو اقتدار اور حکومت کی امانت سپرد کرنا بھی منکر ہے ظالم کا ہاتھ نہ پکڑنا

اور ظلم کے خلاف احتجاج نہ کرنا بھی منکر ہے کوئی گروہ یا شخص انسانی حقوق سے محروم کیا جارہا ہو تو اس پر سکوت اختیار کرنا اور ظلم کا مقابلہ نہ کرنا بھی منکر ہے اگر کوئی حاکم بیت المال کو اپنی جاگیر بنالے اور حکومت کے خزانے کو ذاتی عیش کیلئے اور اپنی اولاد کو عیش کوش بنانے کیلئے استعمال کرے تو اس منکر پر خاموشی اختیار کرنا بھی منکر ہے صحیح حدیث میں ہے (من راي منكم منكرا فليغيره بيده فمن لم يستطع فبلسانه فمن لم يستطع فبقلبه وذلك اضعف الايمان) یعنی تم میں جو شخص منکر یعنی کوئی برائی دیکھے تو اپنے ہاتھ (طاقت) سے بدل دے جو اس کی استطاعت نہ رکھتا ہو وہ زبان سے برائی کو مٹانے اور ہٹانے کی کوشش کرے اور جو یہ بھی نہ کرسکتا ہو وہ دل سے برا سمجھے اور یہ ایمان کا کمزور ترین درجہ ہے۔

اگر دین کا رشتہ سیاست سے نہیں ہے تو سیاست میں اترے بغیر نہی عن المنکر یعنی ازالہ منکرات اور دفع سیئات کس طرح ممکن ہے۔ کیونکہ اس کے لئے زبان اور قلم کے استعمال کی ضرورت پیش آئے گی غلط رو ظالم حاکم کے خلاف رائے عامہ کو ہموار کرنے کے لئے جلسہ اور جلوس کی ضرورت پیش آئے گی ظالم حاکم کو اقتدار سے ہٹانے کے لئے انتخابات میں حصہ لینے کی ضرورت پیش آئے گی۔ سلطنت اور حکومت اسلام میں اس قدر اہم ہے کہ ایک روایت یہ بھی ہے

(إن السلطان ظل الله فى الارض) یعنی سلطان اور حاکم زمین پر اللہ کا سایہ ہے یعنی وہ اللہ کے احکام کو زمین پر نافذ کرتا ہے اور حضرت فضیل بن عیاذ اور احمد بن حنبل کا کہنا ہے کہ اگر ہمیں ایک ہی دعا مانگنے کے لئے کہا جائے جو مستجاب اور قبول ہو تو ہم وہ دعا سلطان کی صلاح اور درستی کے لئے کریں گے کیونکہ رعیت اور عوام کی صلاح ان کی صلاح پر

موقوف ہے۔ اس سے سلطنت اور حکومت کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔

ایک مدت سے ایک غلط تصور ذہنوں میں راسخ ہو گیا ہے کہ اپنی خلوتوں میں توبہ اور استغفار ذکر وعبادت میں شب روز مشغول رہنے والا شخص تو بہت دین دار ہے اور روحانیت کا چراغ ہے اور حکومت اور سماج میں جو منکرات ہیں ان کو روکنے کے لئے میدان سیاست میں اترنے والا شخص محض ایک دنیادار انسان ہے حالانکہ قرآن میں اہل ایمان کی تعریف میں دونوں قسم کے اوصاف کو ایک ہی جگہ بیان کیا گیا ہے یعنی ایک مؤمن کے اندر دونوں قسم کی صفات کی بیک وقت ضرورت ہے عبادت اور ریاضت بھی اور انفرادی اور اجتماعی زندگی میں حدود اللہ کی حفاظت بھی اور ہر قسم کے منکر پر اپنی بساط بھر نکیر کی کوشش بھی ﴿التَّائِبُونَ الْعَابِدُونَ الْحَامِدُونَ السَّائِحُونَ الرَّاكِعُونَ السَّاجِدونَ الآمِرُونَ بِالْمَعْرُوفِ وَالنَّاهُونَ عَنِ الْمُنكَرِ وَالْحَافِظُونَ لِحُدُودِ اللّهِ﴾ (سورہ التوبہ:۹، آیت: ۱۱۲) یعنی توبہ کرنے والے اور عبادت کرنے والے اللہ کی حمد وثناء کرنے والے بے تعلق رہنے والے رکوع وسجدہ کرنے والے معروف کا حکم دینے والے اور منکر سے روکنے والے اور حدود اللہ کی حفاظت کرنے والے۔

اسلام کے مزاج کے اندر رہنمائی اور ہدایت اور قوموں کی رہبری اور اصلاح داخل ہے یہ صرف پند ونصیحت اور تذکیر سے نہیں انجام پاتا ہے اس کے لئے طاقت اور قوت اور شوکت بھی ضروری ہے اس چیز کو صرف لوگوں کے ضمیر اور رجحان پر اور پسند اور ناپسند پر نہیں چھوڑا جاسکتا ہے اگر لوگوں کا ضمیر مردہ ہو جائے اور پسند مریض ہو جائے اور ذوق مریضانہ بن جائے تو انسانیت کی خیر نہ رہے اس لئے انسانیت کی کامرانی اور نجات کے لئے اسلام کو ایسے سیاسی نظام کی بھی ضرورت ہے جس میں طاقت ہو اور جس کا حکم

مسموع ہو اور جس کا قول نافذ ہو، لوگوں کے طبائع الگ الگ ہوتے ہیں بہت سے لوگ صرف سمجھانے سے سمجھ جاتے ہیں اور کہنے سے مان جاتے ہیں اور بعض وہ ہوتے ہیں جن کو فہمائش اور سرزنش کرنی پڑتی ہے، دنیا کو ٹھیک سے چلانے کے لئے دونون چیزوں کی ضرورت پیش آتی ہے اسی لئے قرآن نے دونوں کا تذکرہ بھی ساتھ ساتھ کیا ہے:

﴿لَقَدْ أَرْسَلْنَا رُسُلَنَا بِالْبَيِّنَاتِ وَأَنزَلْنَا مَعَهُمُ الْكِتَابَ وَالْمِيزَانَ لِيَقُومَ النَّاسُ بِالْقِسْطِ وَأَنزَلْنَا الْحَدِيدَ فِيهِ بَأْسٌ شَدِيدٌ وَمَنَافِعُ لِلنَّاسِ﴾ (سورہ الحدید: ۵۷، آیت: ۲۵)

ترجمہ؛ البتہ ہم نے بھیجا اپنے رسولوں کو نشانیاں لے کر اور ہم نے اتاری ان کے ساتھ کتاب اور میزان تا کہ لوگ قائم رہیں عدل پر اور ہم نے نازل کیا لوہا اس میں بڑی طاقت ہے اور بے شمار فائدے ہیں انسانوں کے لئے۔

اس آیت میں کتاب اور عدل کی میزان کے ساتھ فولاد کا تذکرہ جو قوت اور منفعت رکھتا ہے بڑی معنویت کا حامل ہے۔ اس آیت کی رو سے سماج کی اسلامی تنظیم کے لئے تین چیزوں کی ضرورت ہے ایک کتاب جو ہدایت الٰہی کا مجموعہ ہے دوسرے میزان جس سے مراد عادلانہ قوانین اور شریعت ہے تیسر چیز حدید یعنی تلوار اور قوت نافذہ ہے۔ اس دین کا م صرف تذکیر و نصیحت سے نہیں ہوگا صلح کے ساتھ پیکار شبنم کے ساتھ تلوار بھی اس کے لئے درکار ہوگی نرمی کے ساتھ سختی بھی ہوگی اسلامی حکومت کی حفاظت کے لئے اور دوسروں زیادتیوں کو روکنے کے لئے جہاد کی بھی ضرورت پیش آئے گی کیونکہ یہ دین ایک مکمل شریعت اور ایک مکمل نظام حیات ہے اور جس دین کا یہ مزاج ہو وہ ایک طرف روحانیت ہے تو دوسری طرف قانون اور سیاست اور حکومت بھی ہے۔ اقبال نے

غلط نہیں کہا ہے۔

وہ نبوت ہے مسلماں کے لئے برگ حشیش
جس نبوت میں نہ ہو قوت و شوکت کا پیام

عصر حاضر میں نظریات کی بنیاد کی بنا پر بہت سی حکومتیں وجود میں آئی ہیں اشتراکیت اور کمیونزم کی بنیاد پر ریاستیں قائم ہوگئی ہیں فاشزم اور نازی ازم کی نمائندگی کرنے والی بھی حکومتیں موجود تھیں، سرمایہ دارانہ نظام کے تحت بھی حکومتیں موجود ہیں وہ اپنے فلسفہ حیات کی اشاعت کرتی ہیں اور جدید دور میں حکومتوں کے پاس ایسے وسائل ہیں جس کی وجہ سے عوام کے خیالات اور افکار اور عقائد پر ان کا اثر پڑتا ہے، حکومتیں جس طرح چاہتی ہیں ذہن ودماغ کو متاثر کرتی ہیں اور ان کو اپنا پیروکار اور حامی بناتی ہیں، ان حالات میں اور بھی ضروری ہے کہ اسلام کے تمام پہلوؤں پر زور دینے کیلئے اور تمام قوانین کے نفاذ کے لئے ان کا اپنا اسٹیٹ ہو جہاں کتاب وسنت پر عمل ہو اور اسلام کے اقدار وافکار کو برسرکار اور برسر عمل بننے کا موقعہ مل سکے اور اسلامی عقائد کو عملی میدان میں برگ وبار لانے کا موقعہ نصیب ہو سکے اور وسائل ابلاغ کو مضر اور مخالف اسلام اور اخلاق شکن اور حیا سوز خیالات کو پھیلانے کا موقعہ نہ ملے۔ ابن خلدون نے حکومت اور ریاست کی اسی لئے حمایت کی ہے کہ اس کے بغیر ترجیح آخرت اور تعلق مع اللہ اور انسانیت کے لئے رحم وکرم اور نیکیوں کے فروغ اور انصاف کے قیام کا مزاج دلوں میں راسخ اور متمکن نہ ہوگا اس کے لئے حکومت کی طاقت کی ضرورت ہوگی جو وہ ماحول اور معاشرہ پیدا کرے اسلام جس کا تقاضہ کرتا ہے، ان اخلاقی اقدار کو انفرادی خواہشات کے حوالہ نہیں کیا جاسکتا۔ یہ اسلامی حکومت کا کام ہے کہ وہ اسلامی اقدار وروایات کے فروغ اور منکرات سے اجتناب

کا مناسب ماحول پیدا کرے۔ مثال کے طور پر نماز ایک عبادت ہے اس کا تعلق اللہ سے لو لگانے سے ہے لیکن اللہ کی کتاب نے اس عبادت کو بھی تنہا انفرادی خواہش اور مرضی پر نہیں چھوڑا ہے بلکہ اس کے قیام کو حکومت کا مقصد قرار دیا ہے:

﴿الَّذِينَ إِن مَّكَّنَّاهُمْ فِي الْأَرْضِ أَقَامُوا الصَّلَاةَ وَآتَوُا الزَّكَاةَ وَأَمَرُوا بِالْمَعْرُوفِ وَنَهَوْا عَنِ الْمُنكَرِ﴾ (سورۃ الحج:۲۲، آیت:۴۱)

یہاں نماز اور زکاۃ کا تذکرہ ہے ان دونوں کے قیام اور اس کے ذوق عام کے لئے بھی اسٹیٹ کی ضرورت ہے امر بالمعروف اور نہی عن المنکر میں اسلام کی تمام اخلاقی اور قانونی تعلیمات داخل ہیں یعنی اسٹیٹ کے بغیر نہ تو اسلام کا روحانی اور تعبدی نظام پورے طور قائم ہوسکتا ہے اور نہ ان اعمال صالحہ کو پورے طور فروغ حاصل ہوسکتا ہے جن کے لئے اس دین کا نزول ہوا ہے۔ اسی لئے تمکین فی الارض کے مقاصد میں عبادات کی اقامت اور فروغ بھی شامل ہے یعنی اسلامی اسٹیٹ کی ضرورت اسلام کے روحانی اور عبادتی نظام کو راسخ کرنے کے لئے بھی ہے عدل وانصاف کے قیام کے لئے ظلم کو روکنے کے لئے اور انسانی حقوق کی حفاظت کے لئے تو اس کے بغیر چارہ ہی نہیں ہے۔ نماز اور زکات عبادت ضرور ہے لیکن وہ بھی کسی انسان کا پرائیویٹ معاملہ نہیں یہ پرائیویٹ معاملہ ہوتا تو حضرت ابوبکر مانعین زکات کے خلاف جہاد نہیں کرتے۔

رستم کے دربار میں ربعی بن عامر نے اسلام اور مسلمانوں کی ترجمانی کرتے ہوے جو الفاظ کہے تھے ان سے بھی حقیقت اسلام پورے طور پر واضح ہوتی ہے ان کے الفاظ یہ ہیں (إن اللہ بعثنا لنخرج الناس من عبادة العباد إلى عبادة اللہ وحده ومن ضيق الدنيا إلى سعتها ومن جور الاديان إلى عدل الاسلام) یعنی بیشک اللہ نے ہمیں مبعوث کیا

ہے کہ تاکہ ہم نکالیں لوگوں کو بندوں کی بندگی سے خدائے واحد کی بندگی میں اور دنیا کی تنگی سے اس کی کشادگی میں اور مذاہب کے ظلم وجور سے اسلام کے انصاف میں۔

اس جملہ کا ہر جزء بڑی معنویت رکھتا ہے " ان اللہ بعثنا" کا مطلب یہ ہے کہ پوری ملت مسلمہ کی بعثت ہوئی ہے یعنی صرف پیغمبر کی بعثت نہیں ہے بلکہ پوری ملت اسلامیہ کی بعثت ایک خاص مشن کے لئے ہوئی ہے اس کا ایک مقصد یہ ہے کہ پوری دنیا والوں کو بندوں کی بندگی سے نکال کر ایک اللہ کی بندگی میں داخل کیا جائے دوسرا مقصد اس تنگ نائے حیات سے نکال کر لوگوں کو وسیع تر مقصد حیات کے تحت لایا جائے اور تیسرا مقصد یہ بتایا گیا ہے کہ لوگوں کو مذاہب کی نا انصافی اور ظلم سے نکال کر اسلام کے نظام عدل میں داخل کیا جائے۔ یہ تینوں عظیم مقاصد بے سیاست اور بے ریاست اور بے طاقت اور بے حکومت پورے نہیں ہوسکتے ہیں۔ اس لئے یہ کہنا اور یہ سمجھنا کہ دین کا سیاست سے کوئی رشتہ نہیں ایک بے معنی بات ہے۔ ان باتوں کو کہنے اور دہراتے رہتے کی ضرورت اس لئے ہے کہ بہت سے مسلمان بھی مغربی اور مسیحی اثرات کے تحت یہ کہنے لگے ہیں کہ اصلی اسلام اور ہے سیاسی اسلام کچھ اور ہے اور سیاسی اسلام طاقت اور تشدد اور دہشت گردی کا نمائندہ ہے اسلام میں یقیناً کوئی دہشت گردی نہیں اور نہ بزور طاقت کسی کو اسلام میں داخل کرنے کی اجازت ہے لیکن یہ حقیقت ہے کہ اسلام کے نظام کو بروئے کار لانے کے لئے اسلامی معاشرہ قائم کرنے کے لئے اور اپنے دفاع کے لئے اور حق کی اشاعت کے لئے اور پیغام توحید کو پوری دنیا میں عام کرنے کے لئے اور مسلمانوں کو ظلم سے پناہ دینے کے لئے سیاست اور حکومت ضروری ہے اور یہ چیزیں اسلام کے ضمیر میں اور خمیر میں داخل ہیں ان کو دین سے علاحدہ نہیں کیا جاسکتا ہے۔ چنانچہ ہم دیکھتے ہیں کہ

مدینہ میں جیسے ہی اسلامی ریاست وجود میں آئی حضور اکرم ﷺ نے دنیا کے فرماں رواؤں کو دعوت اسلام کے لئے خطوط بھیجے۔ دعوت اسلام کو عالم گیر بنانے کے لئے بھی ایک مرکزی طاقت درکار ہے۔ دنیا کے بہت سے حکمراں صرف ان ہی خطوط کو درخور اعتناء اور قابل توجہ سمجھتے آئے ہیں جو حکمرانوں کی جانب سے لکھے جاتے ہیں اور جن پر حکومت یا حاکم کی مہر ہوتی ہے۔ آپ ﷺ نے اسی مقصد کے لئے مہر بھی بنوائی تھی۔ اور مہر ان خطوط پر ثبت کی گئی تھی۔ عبادت اور ذکر الٰہی اور تعلق مع اللہ روح سہی لیکن اس روح کی حفاظت ایک تندرست جسم کے بغیر نہیں ہو سکتی ہے اور جسم کو روح سے اور روح کو جسم سے الگ نہیں کیا جا سکتا ہے۔ جسم کے مفقود ہونے کا نتیجہ یہ ہوا کہ نام نہاد مسلم حکومتوں کے حکمراں اپنے خیالات اور نظریات کے اعتبار سے مسلمان کم اور بے دین زیادہ ہیں وہ مشرقی کم اور مغربی زیادہ ہیں یہ اس لئے کہ ان کو وہ مناسب اسلامی ماحول اور معاشرہ نہیں ملا جس میں ان کی فکری تربیت ہوتی وہ مغربی ذہن کے ساتھ مشرقی ملک کے حکمراں ہیں وہ غیر اسلامی ذہن کے ساتھ مسلم ملک کے حاکم بن گئے ہیں وہ اپنے نام کے اعتبار سے مسلمان لیکن ذہن وفکر کے اعتبار سے غیر مسلم ہیں اسلام کے بارے میں بس ایک دھندھلا سا تصور ان کے پاس ہے، بس کچھ خاص عبادتوں کو اور کچھ رسم ورواج کو انہوں نے اسلام سمجھ لیا ہے۔ اس سے زیادہ اسلام کے بارے میں یا تو ان کو واقفیت نہیں ہے یا وہ مغربی ملکوں کے نظریات کو فائق اور برتر سمجھتے ہیں کیونکہ ان کی تربیت اسی ماحول میں ہوئی ہے۔

دین اور سیاست کا رشتہ۔ مزید شہادتیں اور صحیح نقطہ نظر کے حامل علماء

جدید دور میں مغربی طاقتوں نے اس ذہن سازی میں کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی کہ

مسلمانوں کو یہ باور کرادیا جائے کہ اسلام کا سیاست سے کوئی تعلق نہیں ہے تاکہ وہ سیاست سے کنارہ کش اور محکومی پر قانع ہو جائیں اور جہاد کے سوتے ان کے اندر خشک ہو جائیں وہ سر نہ اٹھائیں اور غلامی پر راضی ہوں اور ان کے سامراجی نظام کو خطرہ پیش نہ آئے۔ اس نظریہ کے ابطال کے لئے جن لوگوں نے مسلسل جدوجہد کی ان میں امام حسن البناء شہید اور مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کا نام نمایاں ہے حقیت یہی ہے کہ اسلام کی رہنمائی زندگی کے ہر مرحلہ میں ہے ولادت سے لے کر موت تک کے لئے احکام موجود ہیں بلکہ ولادت سے پہلے جب انسان جنین ماں کے پیٹ میں ہوتا ہے اس سے متعلق بھی احکام ہیں اور موت کے بعد کی منزلوں کے لئے بھی اس میں رہنمائی ہے۔ لیکن استعماری طاقتوں نے مخالف نظریہ کے لئے سیاسی اسلام کی اصطلاح وضع کی اور اسے ناپسندیدہ اسلام قرار دیا اور زلہ ربایان مغرب سے اپنے نظریہ کی درستی کی سند حاصل کی تاکہ ان کی حکومت اور استعمار کے لئے جواز بن سکے اور صحیح تصور اسلام کے خطرات سے وہ خود کو محفوظ کرسکیں۔ حالانکہ اسلام کے تمام اجزاء باہم مل کر کے ایک کل اور ایک مجموعہ بنتے ہیں اور یہ کل ایسی وحدت ہے جو ناقابل انفکاک ہے اس لئے اسلام کو سیاسی اسلام اور اخلاقی اسلام اور تربیتی اسلام اور روحانی اسلام اور اقتصادی اسلام میں تقسیم نہیں کیا جاسکتا ہے۔ امام حسن البناء نے ایک جگہ لکھا ہے کہ ''ہم آج دیکھتے ہیں کہ اکثر و بیشتر لوگ اپنی گفتگو میں سیاست اور اسلام کے بارے میں اسطرح گفتگو کرتے ہیں کہ دونوں ایک دوسرے سے جدا معلوم ہوتے ہیں کبھی اپنی تنظیم کا تعارف اس طرح کرتے ہیں کہ یہ ایک خالص اسلامی اور غیر سیاسی تنظیم ہے یا یہ دینی اور غیر سیاسی جلسہ ہے'' یہ جملے اس مفہوم میں تو درست ہو سکتے ہیں کہ تنظیم کا تعلق کسی سیاسی پارٹی سے یا الیکشن سے نہیں لیکن مطلق سیاست سے انکار اور اسی کے ساتھ

اسلام کا اقرار درست نہیں۔ یہ جملے زبان پر اس لئے آتے ہیں کہ دین وسیاست کی تفریق ہماری نفسیات میں داخل ہوگئی ہے۔ حقیقت اسلام کو سمجھنے کے لئے یہ آیت بھی کافی ہے ﴿تِبۡيَانًا لِّكُلِّ شَيۡءٍ وَهُدًى وَرَحۡمَةً وَبُشۡرَى لِلۡمُسۡلِمِينَ﴾ (سورہ النحل:١٦، آیت:٨٩)

یعنی ہر شئی کی اس میں وضاحت ہے اور ہدایت ہے اور وہ رحمت ہے اور مسلمانوں کیلئے بشارت ہے۔ قرآنی اسلوب انسانی اسلوب سے مختلف ہوتا ہے لیکن آیت کا مفہوم یہی ہے کہ انسانی زندگی کے ہر مرحلہ اور زندگی کے ہر پہلو کے لئے اس میں اصولی رہنمائی موجود ہے۔ سیاست اور اقتصاد صلح اور جنگ تعلقات اور معاملات الغرض زندگی کا کوئی گوشہ اس کی رہنمائی سے خارج نہیں۔

اسلام ایک جامع دین ہے اور اس کے جامع ہونے کا ایک مطلب یہ بھی ہے کہ وہ عبادت وریاست کا مجموعہ ہے مرکزی حیثیت یقیناً خدا کے ساتھ لگاؤ اور تعلق کو حاصل ہے اور وہ اصلاً مطلوب ہے، لیکن خدا کے ساتھ تعلق کی استواری اور پھر اس کے بعد خدا کے عادلانہ قوانین کے نفاذ کے لئے اختیار اور طاقت کی ضرورت بھی پیش آتی ہے۔ اس کے لئے بھی سعی وکاوش ایک دینی ضرورت ہے، نہ حکومت کے بغیر زمین میں فتنہ وفساد کو دفع کیا جاسکتا ہے اور نہ اللہ کے بندوں کے درمیان عدل وانصاف اور امن و امان کا قیام ممکن ہے، کچھ لوگوں کا یہ عقیدہ ہے کہ حکومت اللہ کی طرف سے صرف انعام ہے۔ اور قرآن میں اعمالِ صالحہ پر عزت وحکومت کی خوشخبری دی جاچکی ہے، چونکہ حکومت اہل ایمان کے لئے ایک بشارت اور وعدہ الٰہی ہے اس لئے جو چیز وعدۂ الٰہی کی حیثیت رکھتی ہو اس کے لئے سعی وجانفشانی کی ضرورت نہیں، یہ تصور بہت سے مذہبی لوگوں میں عام ہے۔ لیکن یہ تصور ایک غلط فہمی پر مبنی ہے۔ یہ دنیا عالم اسباب ہے، اللہ تعالیٰ کے وعدوں کا ظہور

بھی عام طور پر اسباب کی سطح پر ہوتا ہے، جب اللہ تعالیٰ کسی انعام کا وعدہ فرماتا ہے اس کا یہ مطلب نہیں ہوتا ہے کہ وہ اسباب وتدابیر کے بغیر اس کو پورا کردے گا۔ اگرچہ وہ اس پر بھی قدرت رکھتا ہے لیکن یہ اس کی سنت عادیہ کے خلاف ہے، اس عالم اسباب وتدبیر میں اس نے اپنے موعودات کے لئے اسباب وعلل کا واسطہ رکھا ہے مثال کے طور پر، اللہ تعالیٰ نے اپنی مخلوق کے لئے روزی ورزق کا وعدہ فرمایا: ﴿وَمَا مِن دَآبَّةٍ فِیْ الْأَرْضِ إِلاَّ عَلَی اللّهِ رِزْقُهَا﴾ (سورہ ہود:۱۱، آیت:۶) نہیں ہے کوئی چلنے والا زمین پر مگر یہ کہ اس کا رزق اللہ کے ذمہ ہے۔

لیکن اس کے باوجود اس نے حصول رزق کو طلب اور کوشش پر موقوف رکھا ہے، اور رزق حلال کے حصول کے لئے تدبیر اختیار کرنے کا حکم دیا ہے: ﴿وَابْتَغُوا مِن فَضْلِ اللَّهِ وَاذْكُرُوا اللَّهَ﴾ (سورہ الجمعہ:۶۲، آیت:۱۰) اور تلاش کرو اللہ کا فضل رزق میں سے۔ اسلام کی تاریخ جدید میں فقہاء محدثین مفسرین اور شارحین حدیث کی کمی نہیں لیکن اسلامی علوم کی جامعیت اور سیرت نبوی اور تاریخ اسلام میں رسوخ وکمال کے اعتبار سے حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی کے بعد جن شخصیتوں کا ہندوستان میں نام لیا جاسکتا ہے ان میں ایک اہم نام علامہ سیّد سلیمان ندوی کا ہے۔ علامہ ندوی اس موضوع پر رقم طراز ہیں:

”اسلام دین ودنیا اور جنت ارضی وجنت سماوی اور آسمانی بادشاہت اور زمین کی خلافت دونوں کی دعوت کو لے کر اول ہی روز سے پیدا ہوا ہے۔ اس کے نزدیک عیسائیوں کی طرح خدا اور قیصر دو نہیں، ایک ہی شہنشاہ علی الاطلاق ہے جس کے حدود حکومت میں نہ کوئی قیصر ہے نہ کوئی کسریٰ، اس کا حکم عرش سے فرش تک اور آسمان سے زمین تک جاری ہے۔ وہی آسمان پر حکمراں ہے وہی زمین پر فرماں روا ہے ﴿وَهُوَ الَّذِیْ فِیْ السَّمَاء

إِلَٰهٌ وَفِي الْأَرْضِ إِلَٰهٌ ﴾ (سورہ الزخرف:۴۳، آیت:۸۴) (سیرت النبی جلد ۷ صفحہ ۷)

اسلام کے تصور دین کی وضاحت میں توازن اکثر کھویا گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوا کہ اسلام کے سیاسی پہلو کو اس طرح اور اتنی زیادہ اہمیت دی گئی ہے کہ اعتقادات وعبادات کو بھی اس کا تابع کر دیا گیا اور کبھی ایسا ہوا کہ اسلام کی سیاسی تشریح سے کشتی لڑ کر کچھ لوگ رد عمل کی نفسیات کا شکار ہو گئے اور دوسری انتہاء تک پہنچ گئے۔ انھوں نے اس قسم کا دین پیش کیا ہے جس میں نہ جہاد ہے نہ احتساب نہ اسلامی ریاست کے قیام کی کوشش اور نہ کوشش کرنے والوں کی حوصلہ افزائی اور تائید اور نہ دل کے اندر اس کی آرزو اور تمنا۔ اس موضوع پر مکمل اعتدال اور مکمل توازن جن علماء میں پایا جاتا ہے ان میں میرے محدود مطالعہ میں علامہ سید سلیمان ندوی کا نام سر فہرست ہے۔ ان کے فکری توازن کا اندازہ اس اقتباس سے ہو سکتا ہے:

اسلام کے سارے دفتر میں ایک حرف بھی ایسا موجود نہیں ہے جس سے یہ معلوم ہو کہ قیام سلطنت اس دعوت کا اصل مقصد تھا اور عقائد وایمان، شرائع واحکام اس کے لئے بمنزلہ تمہید تھے بلکہ جو کچھ ثابت ہوتا ہے وہ یہ ہے کہ شرائع اور حقوق وفرائض ہی اصل مطلوب تھے اور ایک حکومت صالحہ کا قیام ان کے لئے وجہ اطمینان اور سکون خاطر کا باعث ہے تا کہ وہ احکام الٰہی کی تعمیل بآسانی کر سکیں۔ اس لئے وہ (حکومت اور اقتدار) بھی عرضاً مطلوب ہے۔ (سیرت النبی جلد ۷، صفحہ ۶)

سیّد صاحب اس موضوع پر اظہار خیال کرتے ہوئے کہتے ہیں:

اس دنیا میں اللہ تعالیٰ کی بڑی نعمت حکومت وسلطنت اور دنیا کی سیاست ہے۔

یہاں تک کہ کتاب ونبوت کی دولت کے بعد اسی کا درجہ ہے (سیرت النبی جلد، ۷، صفحہ ۵)

یہ ایک تاریخی حقیقت ہے کہ اسلام کی تاریخ سلطنت و مذہب کے اشتراک کی تاریخ ہے۔ رسول اللہ ﷺ کی حیات طیبہ میں مکی و مدنی دونوں زندگی جمع کردی گئی تھی آپ کی ذات مبارک میں امامت و نبوت دونوں کو اس طرح بہم کردیا گیا تھا کہ بقول علامہ سیّد سلیمان ندوی ''ایک کو دوسرے سے جدا کرنا ناخن کو گوشت سے علیحدہ کرنا ہے''، یہ بھی امر واقعہ ہے کہ اسلام میں قتال و جہاد کی دعوت بر ملادی گئی ہے اور اس پر اخروی و دنیوی دونوں نعمتوں کے وعدے فرمائے گئے ہیں: ﴿وَجَاهِدُوا فِيُ اللّٰهِ حَقَّ جِهَادِهِ هُوَ اجْتَبَاكُمْ وَمَا جَعَلَ عَلَيْكُمْ فِيُ الدِّيْنِ مِنْ حَرَجٍ﴾ (سورۃ الحج:۲۲، آیت:۷۸) اور اللہ کی راہ میں جہاد کرو جو جہاد کرنے کا حق ہے اس نے تم کو اس کام کے لئے چن لیا اور تم پر دین کے دائرے میں کوئی تنگی نہیں رکھی۔

قرآن میں سلطنت کے ملنے کو عزت اور سلطنت کے چھن جانے کو ذلت قرار دیا گیا ہے۔ ﴿قُلِ اللّٰهُمَّ مَالِکَ الْمُلْکِ تُؤْتِيُ الْمُلْکَ مَن تَشَاء وَتَنزِعُ الْمُلْکَ مِمَّن تَشَاء وَتُعِزُّ مَن تَشَاء وَتُذِلُّ مَن تَشَاء بِيَدِکَ الْخَيْرُ﴾ (سورہ آل عمران:۳، آیت:۲۶) اللہ حکومتوں کے مالک تو جسے چاہے حکومت دے اور جس سے چاہے حکومت چھین لے۔ تو جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے اور تیرے ہی قبضے میں ہر قسم کا خیر ہے۔

اس آیت میں عزت سے مراد سلطنت کا ملنا او اور ذلت سے سلطنت کا چھن جانا مراد ہے، بلاغت کی اصلاح میں اس ترتیب کو لف ونشر مرتب کہتے ہیں۔ یعنی تُؤْتِيُ الْمُلْکَ کا تعلق تُعِزُّ مَن تَشَاء کے ٹکڑے سے ہے اور تَنزِعُ الْمُلْکَ مِمَّن تَشَاء کا تعلق تُذِلُّ مَن تَشَاء سے ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اپنے انعامات میں نبوت و ہدایت کے بعد حکومت وسلطنت کا ذکر فرمایا ہے: ﴿فَقَدْ آتَيْنَا آلَ إِبْرَاهِيمَ الْكِتَابَ وَالْحِكْمَةَ وَآتَيْنَاهُم مُّلْكاً عَظِيماً﴾ (سورہ النساء:۴، آیت:۵۴) ہم نے آل ابراہیم کو کتاب وحکمت اور نہایت بڑی حکومت بخشی۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنی قوم سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں ﴿يَا قَوْمِ اذْكُرُواْ نِعْمَةَ اللّهِ عَلَيْكُمْ إِذْ جَعَلَ فِيكُمْ أَنبِيَاء وَجَعَلَكُم مُّلُوكاً﴾ (سورہ المائدہ:۵، آیت:۲۰) اے میری قوم یاد کرو اپنے اوپر اللہ کی نعمت کو کہ اس نے تمہارے درمیان بہت سے نبی بھیجے اور تم میں سے بہتوں کو بادشاہ بنایا۔ اس آیت میں اقتدار کو نعمت سے تعبیر کیا گیا ہے۔

اس طرح اقتدار کا ختم ہوجانا اور محکومیت کی حالت میں زندگی گذارنا خدائی قہر کی علامت ہے، یہودیوں پر جب قہر الٰہی نازل ہوا تو وہ اقتدار سے بے دخل کردئے گئے اور محکوم اور ذلیل ہوئے یہ واقعہ دوبار پیش آیا، ایک بار بابل کے بادشاہ بخت نصر کے ہاتھوں اور دوسری دفعہ حضرت عیسیٰ کی نبوت کا انکار کے بعد رومیوں کے ہاتھوں۔ معلوم ہوا کہ اقتدار سے بے دخلی قہر وعذاب ہے قرآن میں دومرتبہ بنی اسرائیل پر قہر کا تذکرہ ہے اور یہ اقتدار سے بے دخلی کی شکل میں سامنے آیا

﴿وَقَضَيْنَا إِلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ فِي الْكِتَابِ لَتُفْسِدُنَّ فِي الأَرْضِ مَرَّتَيْنِ وَلَتَعْلُنَّ عُلُوّاً كَبِيراً. فَإِذَا جَاء وَعْدُ أُولاهُمَا بَعَثْنَا عَلَيْكُمْ عِبَاداً لَّنَا أُوْلِي بَأْسٍ شَدِيدٍ فَجَاسُواْ خِلاَلَ الدِّيَارِ وَكَانَ وَعْداً مَّفْعُولاً. ثُمَّ رَدَدْنَا لَكُمُ الْكَرَّةَ عَلَيْهِمْ وَأَمْدَدْنَاكُم بِأَمْوَالٍ وَبَنِينَ وَجَعَلْنَاكُمْ أَكْثَرَ نَفِيراً. إِنْ أَحْسَنتُمْ أَحْسَنتُمْ لِأَنفُسِكُمْ وَإِنْ أَسَأْتُمْ فَلَهَا فَإِذَا جَاء وَعْدُ الآخِرَةِ لِيَسُوؤُواْ وُجُوهَكُمْ وَلِيَدْخُلُواْ الْمَسْجِدَ

كَمَا دَخَلُوهُ أَوَّلَ مَرَّةٍ وَلِيُتَبِّرُواْ مَا عَلَوْاْ تَتْبِيراً﴾ (سورہ بنی اسرائیل:۱۷، آیت:۴ تا ۷)

ترجمہ؛ اور صاف کہہ سنایا ہم نے بنی اسرائیل کو کتاب میں کہ تم خرابی کرو گے ملک میں دو مرتبہ اور سرکشی کرو گے بڑی سرکشی۔ پھر جب آیا پہلا وعدہ تو بھیجے ہم نے تم پر اپنے بندے سخت لڑائی والے۔ پھر وہ شہروں کے بیچ داخل ہو گئے اور اس وعدے کو پورا ہونا ہی تھا۔ پھر ہم نے پھیر دی تمہاری باری ان پر (ان کو مغلوب کیا) اور قوت دی تم کو مال سے اور بیٹوں سے اور زیادہ کر دیا تمہارا لشکر۔ اگر بھلائی کی تم نے تو بھلا کیا اپنا اور اگر برائی کی تو اپنے لئے کی۔ اور جب دوسرا وعدہ آیا تو پھر (ہم نے اپنے بندے بھیجے جو تمہیں شکست دے کر سیاہ رو کر دیں اور وہ گھس جائیں عبادت گاہوں میں جیسے گھسے تھے پہلی بار اور (مفتوح مقامات کو) خراب کر دیں پوری طرح۔

﴿إِنَّ الَّذِينَ اتَّخَذُواْ الْعِجْلَ سَيَنَالُهُمْ غَضَبٌ مِّن رَّبِّهِمْ وَذِلَّةٌ فِي الْحَيَاةِ الدُّنْيَا وَكَذَلِكَ نَجْزِي الْمُفْتَرِينَ﴾ (سورۃ الاعراف:۷، آیت: ۱۵۲) جن لوگوں نے گائے کے بچھڑے کو معبود بنالیا ان پر پروردگار کا غضب واقع ہوگا اور دنیا میں ذلت نصیب ہوگی ہم افتراپردازوں کو ایسا ہی بدلہ دیا کرتے ہیں۔

اسلام وہ دین ہے جس کے پیغمبروں کو غلبہ اور حکمرانی کی نسبت خصوصی حیثیت حاصل ہے۔ اور جس نے فرمایا: (**السلطان ظل الله فی الارض یاوی الیه کل مظلوم من عباد الله**) یعنی صاحب اقتدار زمین پر ظل اللہ ہے اللہ کی بندوں میں جن پر ظلم ہوتا ہے وہ اس کے پاس پناہ لیتے ہیں۔ واضح رہے کہ یہاں سلطان یعنی سلطہ سے مراد اقتدار و حکومت ہے اسلامی سلطنت عام دنیوی سلطنتوں سے مزاج اور مقصد کے اعتبار سے مختلف ہوتی ہے۔ دوسری سلطنتیں عیش تنعم یا جہانگیر و کشورکشائی کے لئے ہوتی ہیں۔

ضمنی اور اضافی قوانین کی ہے۔ اگر مسلمانوں کے کسی ملک میں اسلام کا عادلانہ نظام نافذ نہیں ہے تو اس کے لئے جدوجہد مشروع ہے اس لئے کہ "بما انزل اللہ" کے خلاف جو قانون بھی نافذ ہوگا اس کا نفاذ جرم قرار پائے گا۔

﴿وَمَن لَّمْ يَحْكُم بِمَا أَنزَلَ اللّٰهُ فَأُوْلَـٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ﴾ (سورۃ المائدہ:۳، آیت: ۴۵) اور جنھوں نے بما انزل اللہ کے مطابق حکم جاری نہیں کیا تو وہی لوگ ظالم ہیں۔

جب قرآن مسلم معاشرے کی رہنما کتاب ہے، جب پیغمبر کی زندگی تمام مسلمانوں کیلئے نمونہ ہے اور جب خلفائے راشدین کی عادلانہ حکومت روشنی کا مینار ہے جو سند کا درجہ رکھتی ہے تو مسلم معاشرے کو سیاست واقتدار سے لے کر معاملات واخلاق تک اسلام کے سانچے میں ڈھالنا ضروری ہوجائے گا اقتدار کی زمام جن لوگوں کے پاس ہو وہ اگر اسلامی قوانین کو نافذ نہ کریں اور شریعت کو پس پشت ڈال دیں تو حسب ضرورت احتساب، مزاحمت اور مقاومت کا طریقہ اختیار کرنا ضروری ہوجائے گا اور اگر انقلابی کوششیں کامیاب ہوجائیں تو حکیمانہ طریقے سے شریعت کے قوانین کو ملک میں جاری کیا جائے گا۔

اسلامی تاریخ میں شریعت کے رمز شناس ائمہ دین حنیف نے سیاست وحکومت کی سطح پر بھی اسلامی احکام وروایات سے انحراف گوارا نہیں کیا، وہ اس کے لئے سینہ سپر ہوگئے۔ موج خوں ان کے سر پر سے گذر گئی لیکن مداہنت انھوں نے برداشت نہیں کی۔ انھوں نے مسلمانوں کا غیر اسلامی اقتدار برداشت کیا نہ غیر مسلموں کا غاصبانہ قبضہ، امام حسین اور حضرت عبد اللہ بن زبیر سے لے کر حضرت سیّد احمد شہید بریلوی تک جہاد و

عزیمت کی مسلسل داستان ہے اور دور جدید کی بہت سی اسلامی تحریکیں بھی اس غیرت ایمانی کی وارث اور امین ہیں۔

دین و سیاست کے نا قابل انفکاک رشتہ کا کامل نمونہ خلافت راشدہ تک باقی رہا، اس دور تک دین ایک طرف داخلی سطح پر ایمانی کیفیات دوسری طرف خارجی سطح پر سیاسی اور اجتماعی تنظیم دونوں کا مجموعہ بنا رہا، لیکن بعد کی صدیوں میں نظام کی یہ وحدت باقی نہیں رہی، خلافت اس کے بعد علی منہاج النبوۃ باقی نہیں رہی البتہ کچھ وقفے ایسے ملتے ہیں جس میں خلافت راشدہ کا نمونہ سامنے آجاتا ہے، لیکن چونکہ ایک طویل عرصہ تک عبادات واخلاق کی تعلیم وتربیت جن کے ہاتھوں میں رہی وہ اقتدار اور حکومت سے محروم رہے اور جو ارباب اقتدار تھے ان کی زندگی خدا ترسی عبادت اور روحانیت کا نمونہ نہ تھی اس لئے بہت سے ذہنوں میں دین اور دنیا کی جدائی کا تصور پیدا ہوگیا بلکہ کچھ لوگ قیام سلطنت کی کوششوں میں حصہ لینے کو دین کی خلاف ورزی سمجھنے لگے۔ دین کے بارے میں انحراف یا اس فکری تحریف کے تاریخی اور نفسیاتی اسباب کا تذکرہ کرتے ہوئے علامہ سید سلیمان ندوی کہتے ہیں:

ایک مدت سے علماء کی گوشہ گیری اور صوفیاء کی خانقاہ نشینی نے عوام کو یہ یقین دلایا ہے کہ قیام سلطنت اور امور سلطنت میں دخل وتدبیر دنیا کا کام ہے جس سے اہل علم اور اہل اتقاء کو کنارہ کش رہنا چاہئے۔ (سیرت النبی، ج ۷، ص ۱۴۲)

بہت سے مستشرقین نے بھی اپنے مطالعہ کے نتیجہ میں اس حقیقت کا اعتراف کیا ہے کہ اسلام دین اور ریاست دونوں ہے ڈاکٹر میکڈونالڈ (D.B.Macdonald) اور سر تھومس آرنلڈ (Sir T Arnold) اور پروفیسر گب اور بہت سے مستشرقین نے اسلام

کی اس اعتبار سے صحیح ترجمانی کی کہ وہ دین اور ریاست کا مجموعہ ہے۔

دین وسیاست کی تفریق کے موضوع پر عہد حاضر اور عالم اسلام کے مسلم اور محترم عالم دین مفکر اسلام مولانا علی میاں ندوی کا یہ بیان پڑھیئے یہ بیان سند کا درجہ رکھتا ہے اور اسی پر میں یہ مضمون ختم کرتا ہوں:

''میں اپنے بارے میں صراحت کے ساتھ بتادینا چاہتا ہوں کہ زندگی کے کسی لمحے اور کسی وقفے میں بھی ان لوگوں میں نہیں رہا ہوں جو دین وسیاست کی تفریق کے قائل ہیں نہ میں ان لوگوں میں ہوں جو دین کی ایسی تعبیر کرتے ہیں جس سے وہ زندگی کے ہر نظام اور حالات کے ہر سانچے میں (خواہ وہ اسلام سے کتنا ہی ہٹا ہوا ہو) فٹ ہو جائے اور ہر رنگ کی سوسائٹی میں جڑ جائے اور نہ میرا تعلق کبھی اس گروہ سے رہا ہے جو سیاست کو قرآن کے شجرۂ ملعونہ کا مصداق سمجھتا ہے، میں ان لوگوں کی اگلی صف میں ہوں جو مسلمان قوموں کی صحیح سیاسی شعور کے داعی ہیں اور ہر اسلامی ملک میں صالح قیادت کو بروئے کار دیکھنا چاہتے ہیں میں ان لوگوں میں ہوں جن کا اعتقاد ہے کہ دینی معاشرہ اس وقت تک قائم نہیں ہوسکتا جب تک دین کو اقتدار حاصل نہ ہو اور حکومت کا نظام اسلامی بنیادوں پر استوار نہ ہو، میں اس کا داعی ہوں اور زندگی کی آخری سانس تک رہوں گا۔،،

(بحوالہ نیا طوفان اور اس کا مقابلہ صفحہ نمبر ۳۲-۳۳ مطبع مجلس تحقیقات ونشریات اسلام لکھنؤ)

❁❁❁

INSTITUTE OF OBJECTIVE STUDIES

INSTITUTE BUILDING, 162- JOGABAI MAIN ROAD
JAMIA NAGAR, NEW DELHI-110025
TEL.: 91-11-26981187, 26989253, 26987467
FAX : 91-11-26981104
E-Mail: manzoor@ndf.vsnl.net.in
Website: www.iosworld.org